

انصاف کی فراہمی میں ریاستی اداروں کی ذمہ داریاں اسلامی احکام کی روشنی میں

Responsibilities of state institution in delivery of justice in the light of Islamic rules

* Dr.Tanveer Huma Ansari

** Prof: Dr.Sunaulah Bhuto

Abstract

The important departments required for a government or state and the method required for it are within the scope of Islam, there are rules and regulations for a country's defense system, judicial system, economic system, other administrative affairs or Office affairs and thus other affairs of the state' which they have in the light of Islam do not exist in other systems. The success of the state, and the development of the state depends on its higher institutions, as long as the institutions work responsibly, all the departments of the state run in the best way and this leads to a strong state. Among these institutions, the institution that is considered the foundation of the state is its judicial system. If the judicial system performs its work for the people of the society in a timely manner, then the people in the society will continue to get their rights and if the judicial system does not perform its work in a timely manner and there is a fear that the rights of the people will be violated, then the state will never It cannot develop and thus evils like fitnah and evil are born in the state. So in this article we will discuss for the importance of Judiciary System for justice in the light of Islamic Orders.

Key Words: Justice, Political System, State , Crimes.

دین اسلام ایک، جامع اور کامل تعلیمات پر مبنی دین ہے جو ہمیں معاشرے میں زندگی گزارنے کے لئے رہنمائی اور بہترین اصول فراہم کرتا ہے اور اسی رہنمائی کو صراطِ مستقیم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دنیا میں معاشرے یا کسی حکومت، ریاست کے لئے جن بنیادی ستونوں پر قائم ہوتی ہے اور ریاست کے فلاح و بہبود کے لئے جو بنیادی شعبہ جات، محکمہ جات، انسٹیٹیوشنز درکار ہوتے ہیں اور اس نظام کے لئے جس طریق کار کی ضرورت ہوتی ہے اسلامی تعلیمات کے دائرے کے اندر اس کے لئے اصول و قوانین و ضوابط موجود ہیں۔ یہاں یہ جان لینا بھی ضروری ہے کسی بھی ریاست یا حکومت کی ترقی، کامرانی کا انحصار اور کامیابی کا ادارہ و مدار ریاست و حکومت کے اداروں پر قائم ہوتا ہے، جب تک ریاستی ادارے اپنے کاموں میں ذمہ داری کو ترجیح دیتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی لاپرواہی نہیں برتتے ریاست کے ادارے صحیح سمت پر بہترین انداز میں چلتے ہیں اور جس کی بدولت ایک مضبوط

* Lecturer in private college.

** Dean faculty of Arabic and Islamic Al-Kwathar University karachi.

ریاست وجود میں آجاتی ہے۔ ماہرین ریاست کی نگاہ میں ریاست کا سب سے اہم رکن اور اہم ادارہ اس ملک کا عدالتی نظام ہے۔ اگر عدالتی نظام اور ارکان عدالت اپنی ذمہ داری بروقت ادا کرتی ہے تو معاشرے میں موجود لوگوں کے ان کے حقوق حاصل ہوتے رہیں گے ورنہ معاشرے میں بد امنی، فتنہ و فساد، جھگڑے، جرائم میں اضافے کا سبب بنے گا، اور لوگوں کے حقوق پامال ہونے کا اندیشہ ہو تو ریاست کبھی بھی ترقی نہیں کر سکتی اور یوں ریاست میں فتنہ و شر جیسی برائیاں جنم لیتی ہیں اور لوگ نہ صرف اپنے عدالتی نظام سے مایوس ہو جاتے ہیں بلکہ دنیا میں بھی ایسے ملک کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے معاشرے کی اصلاح و ترقی کے لئے جو اخلاقی دائرہ قائم کیا ہے اور جن پر زور دیا گیا ہے ان میں سے ایک عدل بھی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک نام ”العدل“ بھی ہے اور دیکھا جائے تو یہ کائنات کا سارا نظام اس کی صفت ”عدل“ کا بھرپور اظہار ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کائنات کو عدل کے ساتھ تخلیق کیا اور اپنی سب سے بہترین مخلوق انسان سے بھی عدل کا تقاضہ کرتا ہے۔ جیسا کہ انسان مدنی الطبع ہے اور اجتماعیت پسند پر اعتقاد رکھتا ہے، اور اس انسان کے مصالح چاہے دین سے تعلق رکھتے ہوں یا دنیاوی معاملات سے ان کی تکمیل اجتماعیت اور باہمی اشتراک و تعاون کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

لہذا فرد کے اسی مصالح کے تحفظ کے لئے معاشرے میں اجتماعی ادارے وجود میں آتے گئے، چنانچہ عدل انصاف اور قانون اور معیشت کے لئے جہاں ریاست کا قیام ضروری ہے وہاں اخلاقی اور معاشرتی بہبود کے لئے انفرادی فریضہ کے علی وجہ الکمال عدل و انصاف کی فراہمی کے لئے بھی ادارے کا قیام انسانی معاشرے کے لئے ضروری قرار پایا کیوں کہ کسی بھی معاشرے میں امن و امان قائم رکھنے اور عامۃ الناس کو انصاف مہیا کرنے کی اہمیت کے بارے میں کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔ جب سے انسان نے اس فانی دنیا میں آنکھیں کھولی ہیں اسے انصاف کی طلب رہی ہے۔ ابتدائے افریش کے قبائلی معاشروں سے لے کر موجودہ دور کے جدید معاشرے تک انصاف مہیا کرنے کے نظام نے مختلف صورتیں اختیار کی ہیں۔ کیوں کہ نظام عدل کا ریاست اور معاشرے کی ترقی، خوشحالی سے گہرا تعلق ہوتا ہے اس لئے خوشحال قومیں اپنے اپنے ممالک کے عدالتی نظام پر فخر کرتی ہیں۔ لہذا اسلام نے بھی عدل و انصاف کی فراہمی پر زور دیا ہے تاکہ انسان اپنے معاشرے میں خوشحال اور امن کی زندگی بس کر سکے۔ لہذا ہم اپنے اس مقالے میں عدل و انصاف کی فراہمی میں اداروں کی ذمہ داریاں پیش کریں گے۔

قرآن مجید فرقان حمید میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے صحت مند معاشرے کی تشکیل کے لئے انسانوں کو عدل و احسان کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ”ان اللہ یامر بالعدل والاحسان“۔ یقیناً اللہ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔ اگر اقوام عالم کو مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا جس قوم یا امت میں عدل و انصاف کی فراہمی میں دینت داری ایمان داری سے کام نہیں لیا جاتا وہ اقوام وہ امتیں رحمت خداوندی سے محروم رہی اور دنیا میں ذلت و رسوائی ان کا مقدر بنی اسی لئے تمام مفکرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دنیا کا معاشرتی نظام کو صحیح سمت میں چلانے، لوگوں کو مہذب قوم بنانے اور

کامیاب معاشرے کی تشکیل کے لئے عدل و انصاف کا قیام انتہائی باگزیں ہے، عدل و انصاف کی تلقین ہر مذہب میں کی گئی ہے، عدل انفرادی اور اجتماعی سطح پر، ہر سطح پر اپنی بنیادی اور مستقل حیثیت رکھتا ہے۔

لفظ ”عدل“ کے معنی و مفہوم:

عدل کو عربی زبان میں ”قضاء“ کہتے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں قضا کے معنی یہ ہیں کہ حکومت کے معینہ ادارے کی طرف سے قرآن و سنت اور شرعی احکام کی روشنی میں عامۃ الناس کے باہمی تنازعات کا تصفیہ کیا جائے اور مقدمات فیصل کیے جائیں^۲۔

اردو کی مشہور لغت ”فیروز اللغات“ میں عدل کے معنی مساوات، برابری، اور انصاف بیان کئے گئے ہیں^۳۔

اردو زبان میں عدل کے لئے بولا جانے والا لفظ ”انصاف“ دراصل انگریزی لفظ (Justice) کا ترجمہ ہے جو کہ یونانی لفظ (Dikaisune)

سے لیا گیا ہے۔

خلاصہ تعریفات:

اہل لغت نے لفظ عدل کو فتح اور کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور دونوں میں معنی الگ الگ کے لئے لکھے گئے ہیں، لیکن یہ کہہ سکتے ہیں یہ دونوں الفاظ قریب قریب ہیں، فتح کے ساتھ معنوی چیزوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور کسرہ کے ساتھ ان چیزوں کے لئے بولا گیا ہے جن چیزوں کا ادراک حواس ظاہری سے ہو۔ عدل ایک وسیع المعنی اصطلاح ہے جس کا مفہوم ہے توازن، تناسب، مساوات، ہم آہنگی، انصاف، افراط و تفریط سے اجتناب اور لوگوں کے درمیان تعلقات ان بنیادوں پر قائم کرنا جن سے ہر فرد کو اس کا جائز حق مل جائے۔^۴

انصاف کی فراہمی میں ریاستی اداروں کی ذمہ داری:

انسانی معاشرے کی بقاء، خوشحالی، ترقی کے لئے حکومت کا وجود ناگزیر ہے جس کا بنیادی و اولین فرائض میں عدل و انصاف کی اساس پر تمدن کی تنظیم ہے کہ عدل و انصاف ہی پر جماعت اور نظام حکومت قائم ہے، اگر انہیں خارج کر دیا جائے تو معاشرہ، ریاست، حکومت، اسٹیٹ، قبیلہ الغرض ہر طرح کا انسانی معاشرے کا شیرازہ بکھر جائے۔ اور انسان ہی انسان کا دشمن بن جائے کسی انسان کی جان و مال و آبرو محفوظ نہ رہے۔ لہذا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس مقام پر جو ارشاد فرمایا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپ فرماتے ہیں

”الملک یقی مع الکفر ولا یقی مع الظلم“^۵۔

یعنی کفر پر مبنی حکومت تو قائم رہ سکتی ہے پر حکومت ظلم پر باقی نہیں رہ سکتی

ابن سیناء لکھتے ہیں:

انسان کے لئے اجتماعی زندگی گزارنا فطری مجبوری ہے۔ اور زندگی کی گاڑی چلانے کے لئے مشارکت و تعاون لازمی ہے جس کا نتیجہ باہمی لین دین اور معاملات کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور معاملات کا تقاضہ ہے کہ ان کے لئے عدل و انصاف کے قوانین متعین ہوں۔

ارسطو لکھتے ہیں:

”العدل قوام الملك“^۶۔

عدل حکومت و سلطنت کی عمارت کا ستون ہے

عدل و انصاف کی فراہمی: قرآن کریم کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے ہر معاملے میں عدل قائم کرنے پر زور دیا ہے۔ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے

”وَأْمُرْتُ بِالْعَدْلِ بَيْنَكُمْ“^۷

مجھے تمہارے درمیان انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

”وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ“^۸

”اور جب بھی تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔“

”وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَتَاؤُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا أَعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ“^۹

اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث عدل کو ہرگز نہ چھوڑو، عدل کرو یہی تقویٰ کے بہت زیادہ قریب ہے۔

”وَإِنْ حَكَمْتَ فَأَحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ“^{۱۰}

”اور اگر تو فیصلہ کرے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کر۔“

”قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ“

کہہ دے کہ میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے۔“

احادیث مبارکہ میں بھی عدل کی بہت زیادہ اہمیت پائی جاتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”فَإِنْ عَدَلُوا فَلَا نَنْفُسِهِمْ، وَإِنْ ظَلَمُوا، فَعَلَيْهَا“^{۱۲}

اگر وہ انصاف کریں تو ان کے لیے فائدہ مند ہے، اگر ظلم کریں تو ان کے لیے وبال جان۔

لوگوں کے درمیان اصلاح کروانے اور ان کے درمیان انصاف کرنے والے کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

”یعدل بین الناس صدقة“^{۱۳}

لوگوں کے درمیان انصاف کرنا صدقہ ہے۔

حکمرانوں کے بارے میں حدیث مبارکہ میں آتا ہے:

”فإذا عدل كان له الأجر“^{۱۴}

”جب وہ عدل کرے تو اس کے لیے اجر ہے۔“

الغرض اسلام پوری دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دینا چاہتا ہے اور ہر حق دار کو اس کا حق مکمل طور پر دلانے میں ہر ممکن تعاون کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس میں کسی طرح کی جانب داری یا تعصب روا نہیں رکھتا۔ نیز اسلام کا عدالتی نظام ٹال مٹول اور تعویق و تاخیر سے پاک ہے سارے نظام قضاء کی بنیاد صرف ایک اساسی اصول پر ہے کہ ”مدعی ثبوت کے لیے بینہ پیش کرے، ورنہ مدعی علیہ قسم کھا کر دعویٰ کا انکار کر دے“ اگر مدعی علیہ قسم کھانے میں توقف کرے گا تو یہ سمجھا جائے گا کہ وہ مدعی کے دعویٰ سے متفق یا اقراری ہے تو اس کے خلاف فیصلہ ہو جائے گا۔ چونکہ یہ مختصر طرز عمل سہل ہونے کے ساتھ ظاہری طور پر حقیقت حال تک پہنچنے کے لیے کافی ہے اس لیے اسلامی نظام عدالت میں اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے اور ہر طرح کے معاملات جلد از جلد نپٹا دیے جاتے ہیں اور فریقین کو فیصلہ کے انتظار میں عمریں کھپانی نہیں پڑتیں۔

انصاف فراہم کرنے والے ادارے:

عدل و انصاف کا قیام چونکہ خلافت و حکومت کا اولین فریضہ اور بنیادی مقصد ہے اس لئے انفرادی اور اجتماعی سطح پر اس کا نفاذ

مختلف اداروں کا محتاج ہے۔ اجتماعی سطح پر انصاف فراہم کرنے والے اداروں کے نام درج ذیل ہیں

(۱) قضاء (۲) افتاء (۳) شرط (۴) حسبہ

(۱) محکمہ قضاء: انصاف کی فراہمی میں ”قضاء“ کی ذمہ داریاں:

معاشرے میں جس قدر اہمیت عدل و انصاف کے نفاذ اور قانون حاکمیت کو حاصل ہے اسی قدر نفاذ قانون اور قیام عدل کے اس

سب سے بڑے ادارے قضاء کو حاصل ہے، قضاء کے بغیر ایسے معاشرے کا تصور بھی ناممکن ہے جس میں لوگوں کے حقوق میں معقول توازن و تناسب پایا جاتا ہو، اور ہر فرد کو بغیر کسی رکاوٹ کے اس کا حق مل جاتا ہو، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نظام قضاء کا قیام اور ایک بالاتر عدلیہ کی تشکیل امت مسلمہ کا فرض قرار دیا ہے۔

”لغت کی کتابوں میں قضاء کے معنی کسی چیز کو قول یا فعل کے ذریعے پورا کرنا ہیں، لیکن شرعی اصطلاح میں اسلامی

ریاست کے مقرر کردہ باختیار ادارے کی طرف کتاب و سنت اور دوسرے شرعی دلائل کی روشنی میں لوگوں کے تنازعات اور

مقدمات کے فیصلے کرنے کا نام قضاء ہے۔“^{۱۵}

اسلام کے ابتدائی دور میں قضاء کا ادارہ سادہ شکل میں تھا، کیوں کہ تقویٰ مسلمانوں کا اوڑھنا، چھوٹا تھا لیکن بعد میں جب تقویٰ کے معیار میں کمی ہوتی گئی تو شعبہ قضاء نے بھی عروج حاصل کر لیا اور اس کے لئے باقاعدہ بااختیار ادارے قائم ہو گئے۔ نور الدین محمود کے زمانے میں ایک محکمہ ”دار العدل“ تشکیل دیا گیا جس سے قضاء نے ایک پورے محکمہ کی شکل اختیار کر لی۔

(۱) لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کا معیار:

”فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ“^{۱۶}

ان کے درمیان فیصلہ کرو اس کے مطابق جو اللہ نے اتارا

پچھلی کتابوں کے قوانین، مضامین اور اصولوں کو لوگوں نے اپنی مرضی کے مطابق بدل لیا تھا اور اپنی خواہش کے مطابق فیصلہ کرنے میں آزاد شمار کیے جاتے تھے لہذا قرآن کریم کی دیگر آیات میں خواہش کے مطابق فیصلہ کرنے کی ممانعت فرمائی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ مِّمَّا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ“^{۱۷}

اے داؤد! بیشک ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنا دیا ہے، سو آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجئے اور

خواہش کی پیروی نہ کیجئے، ورنہ وہ (پیروی) آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دے گی، بیشک جو لوگ اللہ کی راہ سے بہک جاتے

ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے کیونکہ وہ روز حساب کو بھول جاتے ہیں۔

انبیاء کرام کو نبوت کے ساتھ ساتھ حکومت و سلطنت کی ذمہ داریاں بھی تفویض کی تھیں۔ اس لیے پیش نظر آیت کریمہ میں ایسے تمام لوگوں کے لیے جنہیں حکومت و سیاست سے واسطہ پڑتا ہے اور وہ اس حوالے سے کسی ذمہ دار منصب پر فائز ہوتے ہیں انہیں چند بنیادی باتوں کی ہدایت کی گئی ہے تاکہ وہ ذمہ داریاں ادا کرتے ہوئے کسی غلطی کا ارتکاب نہ کرنے پائیں۔ یہاں جن ذمہ داریوں کا ذکر فرمایا گیا ہے ان کا تعلق صرف حضرت داؤد (علیہ السلام) سے نہیں بلکہ ہر اس شخصیت سے ہے جسے اللہ تعالیٰ حکومت و سلطنت کی ذمہ داریوں سے گراں بار کرتا ہے۔

مذکورہ بالا آیت میں قاضی سے تین باتوں کا عہد لیا گیا ہے:

☆ یہ کہ خواہش نفسانی کی اتباع نہ کریں۔

☆ صرف اللہ سے ڈریں اور لوگوں سے نہ ڈریں۔

☆ اللہ تعالیٰ کی آیات کو تھوڑی سی قیمت کے عوض فروخت نہ کریں۔

یہ ارشاد قضاء کی ذمہ داری کے بارے میں ایک جامع اصول ہے، جو ہر دور کے انصاف فراہم کرنے والے کے لئے ایک عمدہ دستور کی حیثیت رکھتا ہے، اس حوالے سے حضرت عمر فاروقؓ نے ایک خط نہایت اہمیت کا حامل ہے جو انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا تھا۔ اس خط کو علامہ ابن قیم نے اپنی کتاب ”اعلام المعوقین“ میں تحریر کیا ہے، یوں تو یہ خط نہایت طویل ہے لہذا سطور یہاں پیش کی جاتی ہے، آپ لکھتے ہیں

”فَإِنَّ الْقَضَاءَ فَرِيضَةٌ مُحْكَمَةٌ، وَسُنَّةٌ مُتَّبَعَةٌ، فَافْهَمُوا إِذَا أَدْلَى إِلَيْكُمُ؛ فَإِنَّهُ لَا يَنْفَعُ تَكَلُّمٌ بِحَقِّ لَا نَفَاذَ لَهُ، أَسِ النَّاسَ فِي مَجْلِسِكُمْ وَفِي وَجْهِكَ وَقَضَائِكَ، حَتَّى لَا يَطْمَعُ شَرِيفٌ فِي حَيْفِكَ“^{۱۸}

منصب قضاء ایک دینی ذمہ داری ہے، جو سنت نبوی ﷺ کے احکام کی روشنی میں بجالانا ضروری ہے، جب کوئی شخص قاضی کے پاس اپنا مقدمہ پیش کرے تو چاہئے کہ کامل غور و فکر کے ساتھ اس کی بات پر توجہ دو، اور جانبین کی باتیں سننے کے بعد جب کسی فیصلے پر پہنچو تو اس کو نافذ کرنے کی کوشش کرو، کیوں کہ درست فیصلے کرنے کا اس وقت تک فائدہ نہیں جب تک اس فیصلے کا نفاذ نہ کیا جائے۔ تمام لوگوں کو اپنے سامنے اور اپنے انصاف میں برابر رکھو تا کہ کمزور اور غریب آدمی انصاف سے مایوس نہ ہو اور زبردست طاقتور کو تم سے کسی رعایت کی امید نہ ہو۔

اسی خط میں آپ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

جانبین میں کسی کے ساتھ جانبداری کا مظاہرہ نہ کرو، بد خلقی نہ دکھاؤ، اگر صحیح فیصلہ صادر کرو گے تو اس پر اجر و ثواب ہے، چاہے اپنے عزیز و اقارب کے خلاف ہی فیصلہ کیوں نہ سنا پڑے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کا ہر طرح کفیل و مددگار ہو گا، اور جو شخص عدل قائم نہیں کرے گا اور ایسا فیصلہ دے گا جس پر خود اس کا دل مطمئن نہ ہو گا تو اس کا معاملہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس خط کے حوالے سے کلام ہے مگر آئمہ کی بڑی جماعت نے اس خط کو صحیح قرار دیا ہے، اور بعض آئمہ کرام نے اس کی حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ آپؓ کے دور خلافت سے ایک عرصہ بعد تک یہ آپ کا یہ تحریر شدہ خط ریاست کے عدالتی نظام کے بارے میں مسلمانوں کے طرز عدل و انصاف کی صحیح عکاسی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن قیمؒ نے اس خط کے متعلق لکھتے ہیں یہ خط تمام قاضیوں اور حکمرانوں کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔

”وَهَذَا كِتَابٌ جَلِيلٌ تَلَقَّاهُ الْعُلَمَاءُ بِالْقَبُولِ، وَبَنَوْا عَلَيْهِ أُصُولَ الْحُكْمِ وَالشَّهَادَةِ، وَالْحَاكِمِ وَالْمُفْتِي أَوْجُ شَيْءٍ إِلَيْهِ وَإِلَى تَأْمُلِهِ وَالتَّفَقُّهِ فِيهِ.“^{۱۹}

ترجمہ: خط جسے تمام امت کے علماء نے قبول کیا اور انہوں نے پر اس خط کی بنیاد پر قضاء اور گواہی کے معیار مقرر کئے، حکمران اور مفتی صاحبان اس خط پر غور و فکر کے زیادہ ضرور تمند ہیں۔

عدل و انصاف کی فراہمی میں قاضی کا معیار:

عدل و انصاف کی فراہمی میں قاضی کا انتخاب بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے، اسلام نے ہر دور میں اس کے صحیح انتخاب پر ہمیشہ سے زور دیا کیوں کہ ریاست کا نظام اسی وقت صحیح راستے پر گامزن رہتا ہے جب تک عدالتی نظام سے جڑے لوگ لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کے درمیان حائل رکاوٹوں کا قلع قمع کرے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے قاضی کے انتخاب کے بارے میں والی مصر کو ایک خط تحریر کیا جس میں انھوں نے قاضی کے انتخاب کے لئے معیار مقرر کیا۔ آپ فرماتے ہیں

”لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے معزز شخص کا انتخاب کرو، جو تمہارے نزدیک قابل اعتماد ہو۔ اور اہل معاملہ کو کسی قسم کی خوشامد نہ کرنا پڑے، ہر حال میں حق و صداقت کو مد نظر رکھے، قاضی کا نفس دنیاوی حرص سے پاک ہو، جانین کی باتوں کو سرسری طور پر سننے کے بجائے غور سے سنے، شکوک و شبہات کے معاملات سے اچھی طرح واقفیت رکھتا ہو، اس کا فیصلہ ہر قسم کی سفارشات سے پاک ہو، فیصلے کے نفاذ میں دیر نہ کرے، جب تک کسی شخص کو قاضی مقرر کرو تو اس کی بہترین تنخواہ پر مقرر کرو تاکہ اس کے معاملات زندگی اور اخراجات اسے رشوت لینے پر مجبور نہ کر دیں“^{۲۰}

(۲) محکمہ افتاء (عدل و انصاف کی فراہمی میں افتاء کا کردار)

لفظ ”فتویٰ“ کا مادہ (ف، ت، ی) ہے لفظ فتویٰ اور فتیاء، لفظ افتاء سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں ”کسی امر کو واضح کرنے کے ہیں“ جیسا کہ ”افتاء الامر‘ ابانہ لہ“^{۲۱}۔

لفظ ”فتویٰ“ فاء کے فتح (زبر) اور ضمہ (پیش) دونوں کے ساتھ آتا ہے، مگر فتح کے ساتھ زیادہ صحیح ترین شمار کیا جاتا ہے اور اہل لغت کے نزدیک فتح کے ساتھ رائج ہے، اہل مدینہ کے نزدیک بھی یہی مستعمل ہے۔ ”الفتح فی الفتویٰ لایل المدینۃ“^{۲۲}

مشہور ماہر لغت علامہ زبیدی کا قول یہ ہے کہ لفظ ”فتیاء“ کو ف کے پیش (ضمہ) کے ساتھ ہونا چاہئے، اور لفظ ”فتویٰ“ کے ف کو زبر (فتح) کے ساتھ ہی پڑھنا چاہئے۔^{۲۳}

صاحب مصباح نے لکھا ہے کہ:

”شرعی مسائل میں ماہر شریعت کا فیصلہ، مگر زیادہ صحیح فتویٰ کے لغوی معنی یہ ہے کہ کسی سوال کا جواب دینا، چاہے وہ سوال کسی شرعی حکم کے متعلق ہو یا نہ ہو، جیسے قرآن کریم میں ہے:

”يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ“^{۲۴}

اے یوسف! اے صدق مجسم! آپ ہم لوگوں کو اس (خواب) کا جواب (یعنی تعبیر) دیجئے کہ سات گائیں موٹی ہیں

افتاء کا سلسلہ آپ ﷺ کے مبارک عہد میں شروع ہو چکا تھا۔ صحابہ کرام تمام دینی معاشرتی، سماجی، اقتصادی ہر طرح کے مسائل کا حل کے لئے آپ ﷺ کی طرف ہی رجوع کیا کرتے تھے کیوں کہ آپ کی ذات ہی مہبط وحی اور احکام الہیہ کی شارح تھی، آپ کی حیات مبارکہ میں ہی بعض صحابہ کرام نے آپ کی اجازت سے اپنے اجتہاد سے فتاویٰ صادر فرمائے، اس حوالے سے حدیث معاذ مشہور ہے۔ آپ ﷺ نے نہ صرف ان صحابہ کرام کے فتاویٰ کی تصویب فرمائی بلکہ اس سعی پر اجر و ثواب کی نوید بھی سنائی۔ اس دور کے مشہور مفتیان کرام کی تعداد تاریخ میں ۱۳۰ صحابہ کرام کے نام ملتے ہیں، اور پھر دور تابعین و تبع تابعین میں بھی یہ منصب جلیل القدر علماء کے سپرد رہا۔

قرآن کریم میں معرفت کے احکام کے لئے اہل علم سے سوال کرنے کے لئے ادارہ افتاء سے رجوع کرنے کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ“^{۲۵}

تو تم اہل علم سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے

ایک اور مقام فرمایا:

”فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ

لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ“^{۲۶}

اسی آیت مبارکہ سے محکمہ افتاء کی ضرورت و اہمیت سامنے آتی ہے لہذا فقہاء کرام نے معاشرے کی اصلاح اور فلاح و بہبود کے لئے ہر علاقے، شہر میں ایک اہل علم (مفتی) کے وجود کو فرض قرار دیا ہے اور ایسا معاشرہ یا علاقہ جہاں مفتی موجود نہ ہو وہاں رہنا کو حرام قرار دیا بلکہ ایسے علاقے سے ہجرت کرنے کو واجب ٹھہرایا ہے۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

”فللخليفة تصفح أهل العلم والتدريس ورد الفتيا إلى من هو أهل لها وإعانتة على ذلك ومنع من ليس أهلا

لها وزجره لأنّها من مصالح المسلمين في أديانهم فتجب عليه مراعاتها لئلا يتعزّض لذلك من ليس له بأهل

فيضل الناس“^{۲۷}

”ریاست کے خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ فتویٰ نویسی کے لئے اہل علم حضرات کا انتخاب کرے اور ان مفتیان

کرام کی مدد کرے اور طرح کی سہولت سے آراستہ کرے اور یہ بھی ضروری ہے کہ نااہل لوگوں کو فتویٰ دینے سے

روک دے کیوں کہ افتاء کا ادارہ تمام مسلمانوں کے لئے مصالح کا بنیادی ستون ہے اس لحاظ سے اس کی حفاظت کرنا

خلیفہ پر واجب ہے“

عدل کا تصور دو مستقل حقائق سے جڑا ہوا ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن و تناسب قائم رہے اور دوسری حقیقت یہ ہے کہ معاشرے میں موجود ہر شخص کو اس کا حق بے لاگ طریقے سے دیا جائے۔ اسلام کا ادارہ افتاء معاشرہ میں عدل و انصاف کی فراہمی میں دونوں پہلوؤں کی تکمیل میں بہترین کردار ادا کرتا ہے۔ کیوں کہ اسلام نے معاشرے کے تمام افراد و طبقات کے حقوق متعین کر دیے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ لوگوں کو اسلامی احکام پر عمل کروانے اور معاشرے میں امن و امان، انصاف کی فراہمی اور معاشرے کو فتنہ و فساد سے بچانے کے ریاست کے پیچیدہ ادارتی نظام سے کہیں زیادہ عوام کی اخلاقی تربیت کے ذریعے انفرادی رضا کارانہ جذبہ اطاعت ابھارنے کی ضرورت ہے، انصاف کی فراہمی کے لئے تنہا قانون کچھ نہیں کر سکتا لہذا ادارہ افتاء معاشرے میں موجود افراد کے حقوق کے تحفظ، فرائض کی آدائیگی اور جھگڑے و مسائل کے عادلانہ حل تلاش کرنے کے لئے رائے عامہ کو ہموار اور اجتماعی ضمیر کو بیدار کر کے بالواسطہ طور پر عدل کے نفاذ میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ کیوں کہ اسلام عدل و انصاف کی فراہمی کے لئے محض قانونی لٹیر پچر پر ہی فقط انحصار نہیں کرتا بلکہ معاملات و مسائل سے متعلق اکثر مفتی اور مجتہدین کی صوابدید پر چھوڑ دیتا ہے تاکہ وہ پیش آنے والے مسائل کے حالات و واقعات، اس کی نوعیت اور حالات و زمانے کی دعایت سے عدل و انصاف پر مبنی حل اسلامی احکامات کی روشنی میں حل پیش کر سکے۔ اس طرح ریاست کے دیگر اداروں کی رہنمائی بھی ادارہ افتاء کا فریضہ ٹھہرتا ہے، اس سلسلے میں ادارہ افتاء کے جرائد و فیصلوں سے تاریخ اسلام بھری پڑی ہے۔

”عہد عثمانی میں ایک صاحب جن کا نام جمالی تھا، سلطان کو دوبار سزائے موت کے غلط فیصلوں پر سخت ٹوکا اور عذاب آخرت سے ڈرا کر، ان فیصلوں کے نفاذ سے روک دیا چنانچہ یوں قریباً ۱۶۰۰ افراد کی جان بچ گئی۔ اسی طرح سے ایک دفعہ ”سلطان سلیمان نے مفتی ابوسعید سے کہا کہ وہ مفتوح ممالک کے غیر مسلموں کے قتل کا فتویٰ صادر کریں تو مفتی ابوسعید نے صاف انکار کر دیا، شہر آربینہ میں فاتح مسلم فوج نے غیر مسلم کی جائیداد لوٹنا شروع کر دی، مفتی شہر نے ایسا کرنے کو ناجائز قرار دیا“۔^{۲۸}

ادارہ افتاء کے ذمہ داران کی ذمہ داریاں:

- ریاست مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس بات سے آگاہ رہے کہ جو کچھ فیصلہ وہ تحریر کر رہا ہے اس کی حیثیت دین اور شریعت کی ہے۔ ہر مسئلہ میں غور فکر اور طویل سوچ و بچار کرنے کے بعد فتویٰ صادر کرے۔
- ریاست مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ مسائل کے علاقے کی سماجی معاشرتی معاملات، رسم و رواج سے خوب واقف ہو تاکہ وہ حالات کی نوعیت کا اچھے سے جائزہ لے سکے اگر معاملہ فہم سے بالاتر ہے فتویٰ دینے کے بجائے لائے علمی کا اظہار کرنا زیادہ مناسب ہے۔
- ادارے کے ذمہ داران کے لئے ضروری ہے کہ وہ معاشرے میں موجود لوگوں کے حقوق اور ان کے فرائض بغیر کسی حیل و حجت کے بیان کر دے، کسی قسم کی پک یا جھکاؤ کو علماء کرام نے قواعد افتاء کے خلاف اور حرام قرار دیا ہے۔

• مفتی کے لئے ضروری ہے اس کا فتویٰ ہر طرح کی تہمت اور ہر طرح کی الزام تراشی سے پاک ہو تاکہ بلا تردد قبول کیا جاسکے، دیگر ادارے پر الزام عائد کرنے کے لئے اگر کسی قسم کی رقم طلب کرے گا تو اس کے لئے یہ مال حرام ہوگا۔ لہذا مفتی کو قرآن و سنت اور اسلامی احکامات کی روشنی میں فتویٰ تحریر کرنے کا پابند ہونا چاہیے۔

• موجودہ دور میں مفتیان کرام کو سوشل میڈیا پر بردباری کا مظاہرہ کرنا چاہیے، مفتی پر عالمانہ وقار، شان و سکون و طمانیت کا مظاہرہ بھی ضروری ہے تاکہ اس عہدے کی توہین نہ ہونے پائے۔ اپنی ذات کو ہر طرح کے عیوب سے پاک رکھنا بھی ضروری ہے تاکہ لوگوں کا ان پر مکمل اعتماد بحال ہو اور لوگ اپنے مسائل کے حل کے لئے بلا خوف و خطر رابطہ کر سکیں۔

(۳) محکمہ شرطہ (پولیس):

لفظ ”شرطہ“ کا لفظ ”شُرط“ سے بنا ہے، جس کی جمع ”شُرُوط“ اور ”شُرَاط“ آتی ہے۔ اسی سے لفظ ”شرطہ“ (پولیس) بنا ہے جس کی جمع ”شُرُط“ اور یا نسبتی کے ساتھ ”شُرطی“ ہے۔

ابتداء میں لفظ شرطہ جنگجوؤں کے ایسے گروہ کو کہا جاتا تھا جو اس شرط اپنے لشکر کے آگے آگے چلتا تھا کہ ہم مر سکتے ہیں پر پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں اور اسی طرح سے وہ اپنی جان بھیلی پر رکھ کر میدان جنگ میں اتر جاتے تھے۔

”صاحب شرطہ یعنی محافظ دستے کا امیر، یہ لقب ابتداء میں صوبے یا شہر کے حاکم والی کے لئے مخصوص تھا، جو تمام دینی و دنیوی امور کا فیصلہ کرتا تھا لیکن عباسیوں کے عہد میں یہ لقب صرف اس خاص عامل کے لئے مخصوص ہو گیا جس کے ذمہ نظم و نسق اور حفاظت عامہ کا کام ہوتا تھا یعنی جس کے فرائض کو تو ال یا سپرنٹنڈنٹ پولیس کے ہوتے تھے۔“^{۲۹}

قاموس المحيط میں ہے کہ شرطہ والی کے مددگاروں کو کہتے تھے اور انہیں اس نام سے اس لئے موسوم کیا جاتا تھا کہ ان کے کپڑوں میں خاص ربن یا بچ لگے ہوتے تھے، جن سے وہ دوسروں سے ممتاز رہیں۔^{۳۰}

دنیا میں جس طرح مختلف معاشرے وجود میں آتے رہے وہاں ساتھ ساتھ معاشرے میں امن و امان میں خلل بھی واقعہ ہوتے رہے اور معاشرے میں ظلم و تشدد، فتنہ و ظلم جیسے جرائم میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا اور معاشرے میں امن و امان استوار کرنے کے لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ ظلم و تشدد برپا کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کی جائے اور کاروائیوں کے ذریعے فتنہ و ظلم کی روک تھام کے لئے کردار ادا کیا جائے لہذا ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں ایک دستہ معاشرے میں موجود رہتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ دستہ باقاعدہ محکمہ کی شکل اختیار کر گیا۔

قرآن کریم کی رو سے معاشرے میں امن و سلامتی برقرار رکھنا حکومت اور معاشرے میں رہنے والے ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے شخص کی ہے اس اہم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے حکومت کے اہم ترین انتظامی ادارے ”شرطہ“ کا وجود ناگزیر ہے۔

ابن سیناء نے پولیس کے مقام کو واضح کیا ہے، لہذا اس کے نزدیک معاشرہ میں تین طبقوں کا وجود ناگزیر ہے، (المدرسون، یعنی ارباب ریاست، حکمران وغیرہ)، (دوسرا) (الصناع، یعنی کاروباری افراد) اور تیسرا (الحفظ یعنی نظام زندگی کا دفاع کرنے والے) اسی طبقے کو شرطہ یا پولیس کہا جاسکتا ہے جسے علامہ ابن خلدون نے ایک دینی منصب اور ریاست کا اہم ادارہ قرار دیا ہے۔

عہد نبوی ﷺ سے لے کر خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت تک کے عرصے میں پولیس کا باقاعدہ کوئی خاص ادارہ موجود نہیں تھا معاشرے میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے قبائلی قیادتیں خود امن و امان کی صورت حال کا جائزہ لیتی تھیں لیکن جب اسلام دور دراز علاقوں تک پھیلتا گیا ریاستی اداروں میں امن و امان کا مسئلہ اہمیت اختیار کر گیا جس کے لئے آپ نے ادارہ شرطہ کی تشکیل کی۔ لہذا صاحب الشرطہ کے ذمہ یہ کام ہوتا وہ علاقوں میں امن و امان صورت حال برقرار رکھیں اور جرائم کی روک تھام کے لئے کردار ادا کریں، ابتداء میں مجرم کو سزا دینا بھی اس کے فرائض میں شامل تھا۔

عدل و انصاف کی فراہمی میں محکمہ شرطہ (پولیس) کی ذمہ داریاں:

• انصاف کی فراہمی میں پولیس اہم کردار ادا کر سکتی ہے، عوام پولیس کو اپنا محافظ تصور کرتی ہے اور ان کی موجودگی میں اپنی جان و مال کے تحفظ کے لئے پر امید ہوتی ہے، لہذا محکمہ پولیس سے واسطہ ہر شخص اس کا اہمیت رکھتا ہے کیوں کہ یہ براہ راست عوامی مسائل سے جڑے ہوتے ہیں لہذا اس کے ہر رکن سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ اسے اخلاقی اوصاف سے واقفیت ہو، فرمانبرداری اور فرض شناسی اور اہلیت کا پیکر ہونا چاہئے۔

• عدل و انصاف کی فراہمی میں عموماً سب سے بڑی رکاوٹ پولیس ہی بنتی ہے، اکثر دیکھا جاتا ہے مجرم کے طاقتور ہونے کی بدولت رعایت دے دی جاتی ہے جس سے ظلم و ستم برپا کرنے والے لوگ مزید طاقتور ہوتے ہیں، لہذا پولیس کو چاہیے کہ وہ معاشرے کو امن کا گہوارہ بنانے کے لئے ایسے لوگوں سے کسی قسم کا تعاون نہ کرے۔

• آج بد قسمتی سے محکمہ پولیس کو دیکھ کر ہمارے ذہن میں جو خیال آتا ہے وہ رشوت ہے، لہذا محکمہ پولیس کو لوگوں کے ذہنوں سے یہ تصور پاک کرنے کی ضرورت ہے، اس کے ساتھ ساتھ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ محکمہ پولیس کی تمام تر مسائل کے حل کے لئے تمام ذرائع کو بروئے کار لانا چاہیے تاکہ محکمہ پولیس کو رشوت خوری سے پاک ہو سکے۔

(۴) محکمہ حسبہ / احتساب: عدل و انصاف کی فراہمی میں ”حسبہ / احتساب“ کا کردار

”مختسب اور احتساب کا تصور اصولاً دینی ہے جس کے لئے عربی میں ”الحسبہ“ کی اصطلاح مروج و مستعمل رہی ہے اور یہ تصور فی

الحقیقت قرآن حکیم کی ان ہی آیات کو محیط ہے جن میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تلقین کی گئی ہے“ ۳۱۔

لفظ احتساب، باب افتعال سے ہے اور اس کا مادہ ح، س، ب ہے ”حسب، بحسب حسبانا، وحسابا“ کے معنی ہیں گننا، شمار کرنا اور حسب بحسب محسوبہ حسابا سے دیکھیں تو اس کے معنی خیال / گمان کرنا کے ہیں۔ اس کے علاوہ حسب میں ”کافی“ کے معنی میں بھی پایا جاتا ہے یعنی جو کفایت کرے اور ایسی

کفایت کے بعد میں کسی چیز کی ضرورت نہ پڑے۔ حاسب کے معنی ہیں حساب کرنے والا، حسان حساب کی جمع ہے یعنی گنتی / شمار کرنا، اور حسیب، حساب کرنے والا یا نگرانی کرنے والا۔

عربی زبان کے قواعد و ضوابط کی روشنی میں لفظ احتساب کے بعد اگر حروف جارہ میں سے حرف ”علی“ استعمال ہو تو اس میں کام کے اسی جذبے کے ساتھ کسی دوسرے شخص کے خلاف کام کرنے کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں جیسا کہ ”احتساب فلان علی فلان عملہ“ کہا جائے تو اس کا مطلب یہ نکالا جائے گا کہ ایک شخص نے ایک شخص کے اس کام کے خلاف اس سخت نکیر کی اور اظہار ناپسندیدگی کیا۔ یہی سے احتساب کے لغوی معانی اس کے اصطلاحی مفہوم پر منتج ہوتے ہیں اور الحسبہ (ادارہ) احتساب کی اصطلاح منضہ شہود پر آتی ہے۔^{۳۲}

ریاست اور قانون کی اصطلاح میں الحسبہ ایک اصطلاح سمجھی جاتی ہے جس کے معنی ہوتے ہیں حساب یا محتسب

”الحسبہ : مصطلح من مصطلحات القانون الاداری معناه الحساب او وظيفه المحتسب“

اسلامی ریاست میں عدل و انصاف کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، کیوں کہ عدل جہاں معاشرے کو ظلم و ستم سے بچاتا ہے تو دوسری طرف ریاست میں امن و امان کا ضامن بھی ہے۔ اسی طرح عدل کے باب میں احتساب کو فراموش نہیں کیا جاسکتا، احتساب کو عدل کی ایک قسم شمار کیا جاتا ہے اور عدل اور احتساب دونوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے لہذا محکمہ احتساب کے قیام کا اصل مقصد یہی ہے کہ عوام کو ہر طرح کی ظلم و زیادتی سے بچایا جائے اور ان کے جان و مال و آبرو کی حفاظت کو یقینی بنایا جائے۔

حسبہ سے دو طرح کے مفہوم مراد لئے جاتے ہیں جن میں ایک یہ کہ ہر صاحب کلمہ شخص جو اللہ کی وحدانیت اور آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان رکھتا ہے اس کے ایمان کا تقاضہ ہے کہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر فریضہ بخوبی انجام دے، اور دوسرے مفہوم سے مراد ہے کہ سرکاری سطح پر عوام کے اخلاقی ضابطے مقرر کرے اور نگرانی بھی ہے۔ یعنی معاشرے میں شراب نوشی، ذخیرہ اندوزی، رشوت کوری، قمار بازی، فحاشی، اوارگی، غلط اوزان اور پیمانوں وغیرہ کا استعمال چونکہ اسلامی ریاست میں ان کاموں کی ممانعت ہے اور یہ جرائم قابل مواخذہ ہیں اس لئے مذہب اور اخلاق سے متعلق ایسے بیشتر امور عامہ کی دیکھ بھال کی ذمہ داری محتسب کے ذمہ دی گئی ہے۔

سیرت نبوی ﷺ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نہ صرف خود ایک بہترین محتسب تھے بلکہ صحابہ کرام کو بھی یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی، اور یہ سلسلہ خلفاء راشدین کے عہد تک جاری رہا اور اس دور میں باقاعدہ محتسب کا تقرر کیا جاتا تھا اور یوں یہ محکمہ ترقی کرتے ہوئے دور امیہ، عباسی سلطنت، دور فاطمین اور اسلامی ریاستوں میں الحسبہ کے تحت محکمہ احتساب کا ایک منظم نظام قائم ہو گیا۔

عدل و انصاف کی فراہمی میں ”نظام حسبہ“ کا کردار:

ریاست مدینہ کی تشکیل کے بعد آپ نے پیشتر رسم و رواج معطل کر دیا یا منسوخ کر دیں یا پھر ان میں غیر اخلاقی حرکات و سکنات کو ختم کر کے اعلیٰ اخلاق سے تبدیل کر دیا۔ ریاست مدینہ میں جو صیغہ جات قائم ہوئے ان میں ایک قضاء ہے اور دوسرا الحسبہ۔ آپ ﷺ نے تجارت کے معاملات، بیع وغیرہ کے معاملات کے متعلق تجارتی اصطلاحات تعارف کروائیں اور ان پر سختی سے عملدرآمد بھی کروایا۔ احادیث مبارکہ میں ہے جو لوگ تخمینہ سے زیادہ غلہ خریدنے لگے تھے انہیں اس بات کا پابند کیا گیا کہ وہ اسے گھر لے جانے سے پہلے ہی اپنے ہاتھوں سے بیچ دیں جیسا کہ حضرت سالم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں

”رَأَيْتُ النَّاسَ يُضْرَبُونَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَرَوْا الطَّعَامَ جُزْأً أَنْ يَبِيعُوهُ حَتَّى يُبْلَغَهُ إِلَى رَحْلِهِ“^{۳۳}

آپ فرماتے ہیں کہ لوگ غلہ کے ڈھیر کے ڈھیر خرید لیتے تو اپنے گھروں میں جانے سے پہلے ہی فروخت کر دیتے تھے نہیں تو ان کا ضرب لگائی جاتی تھی۔

جس ریاست میں ایسے معاملات ہوں اور نظام احتساب ایسا مضبوط ہو تو ہر ایک کو اس کا حق مل جاتا ہے، ہمارے میں معاشرے میں نا انصافی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مالدار لوگ کافی مقدار سے مارکیٹ سے مال اٹھا لیتے ہیں وقت آنے پر اس مال کو بلیک میں بیچا جاتا ہے جس سے معاشرے میں مہنگائی کے ساتھ نا انصافی بھی جنم لیتی ہے۔ لہذا ارکان محتسب کو چاہیے کہ کاموں پر نظر رکھے تاکہ معاشرے میں کسی کے ساتھ نا انصافی نہ ہو سکے۔ اسی طرح خلفاء راشدین کے زمانے میں بھی محکمہ احتساب پر خاص توجہ دی گئی اس محکمہ کی ترویج کے لئے حضرت عمرؓ نے بے شمار اقدامات کئے اور خود بھی محتسب کا فریضہ انجام دیا۔ الماوردی اور قاضی ابویعلیٰ کے مطابق حضرت عمرؓ نے بے شمار محتسب مقرر فرمائے جن میں مشہور صحابی محمد بن مسلمہ انصاریؓ کو ادارہ نظری المظالم (احتساب) کا سربراہ بنایا گیا۔ اس طرح مختلف صوبوں اور علاقوں میں بیشتر محتسب مقرر فرمائے اور خود بھی ان کی نگرانی فرماتے۔^{۳۴}

”سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے مکان کا دروازہ بازار کی طرف کھلتا تھا جس سے ہر وقت بازار کی آوازیں آتی تھیں لہذا آپ نے وہ دروازہ بند کروا دیا، اس بات کا علم جب حضرت عمر فاروقؓ کو ہوا تو آپ نے وہ دروازہ جلوادیا“^{۳۵}۔ تاکہ لوگوں کو فریاد کے لئے کسی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

محکمہ حسبہ کی ریاستی ذمہ داری:

اخلاقی ذمہ داری:

- اسلامی ریاست میں محتسب کی ذمہ داری ہے عقائد باطلہ کی تبلیغ کو روکے، قرآن کریم و احادیث نبویہ ﷺ کتب میں ہر طرح کی تحریف ہونے سے روکے، اسلامی مقدسہ اور شعائر اسلام کی توہین، اللہ تبارک و تعالیٰ اور نبی اکرم ﷺ، صحابہ کرام، اہل بیت اطہار، ازواج مطہرات، آئمہ کرام کی شان میں توہین و تنقیص کو روکنے کی کوشش کرے۔
- نااہل افراد سے دینی مناصب، (جیسا کہ دینی معاملات میں نااہل لوگوں کا انتخاب) کو روکا جائے، رویت حلال کمیٹی میں اہل علماء کرام کو شامل کیا جائے تاکہ عوام ارکان اسلام پر اعتماد کے ساتھ عمل پیرہ ہو سکے۔
- شراب نوشی، سگریٹ، ایسے چیزوں پر احتساب کرے جن سے معاشرے میں برائیاں پھیلنے کا خدشہ ہو، اور اس طرح کے کھیل جیسا کہ جوا، سٹو وغیرہ جن سے معاشرے میں جرم کا اضافہ ہو روک تھام کے لئے احتساب کرے۔

معاشرتی ذمہ داریاں:

- محتسب پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ عوام کی معاشرتی و سماجی زندگی کی اصلاح کرے، مثلاً تعمیر مکانات و عمارات کا احتساب کو یقینی بنائے اور اس بات کا یقین کر لے کہ اس عمارت کی تعمیر سے پیدل چلنے والوں اور ٹرانسپورٹ کے نظام میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہیں ہوگی۔
- گلیوں، علاقوں کی صفائی ستھرائی کا احتساب بھی ضروری ہے جس سے معاشرے میں بے شمار بیماریاں پھیلنے کا خدشہ ہوتا ہے۔
- کوئی شخص کسی مزدور پر ظلم تو نہیں کر رہا اس حوالے سے بھی محتسب مداخلت کر سکتا ہے۔
- ٹرانسپورٹرز، ہوٹل مالکان کہیں حق سے زیادہ کرایہ وصول تو نہیں کر رہے یا سواری پر زیادہ افراد تو سوار نہیں کر رہا، اس حوالے سے بھی محتسب کی ذمہ داری ہے کہ وہ نگرانی کرے اور ایسے لوگوں کو کڑی سزا دی جائے۔

اقتصادی ذمہ داری:

- ریاست میں محتسب کی ذمہ داری ہے وہ عوام و حکمرانوں کی آمدنی، مال و اخراجات کا جائزہ لے، آمدنی سے زیادہ اخراجات پر طلب کر کے ان سے رپورٹ طلب کرے۔
- بازاروں، منڈیوں کی جانچ پڑتال کو یقینی بنائے، پیمانوں کی دیکھ بھال، باسی اور تازہ اشیاء کا خیال رکھے، رقم کے تعین کا خیال کرے۔
- قیمتوں پر کنٹرول اور ریاست کی جانب سے منظور شدہ نرخوں پر عملدرآمد کو یقینی بنائے
- ذخیرہ اندوزوں کا سختی سے احتساب کرے۔

خلاصہ مقالہ:

عالم اسلام کے بیشتر ممالک میں نظام حکومت و سیاست مغربی قوانین کے مطابق ہے، ان ممالک کے دساتیر میں اسلامی قوانین کی آمیزش کے باوجود مغربی قوانین اور اقوام متحدہ کے عالمی چارٹر کے اصولوں کا غلبہ ہے۔ برصغیر میں انگریز ایک طویل عرصے تک قابض رہے، اس لیے یہاں انگریزی قوانین اور برطانوی طرز فکر سے مرعوبیت مقتدر طبقے پر چھائی ہے، جبکہ افریقی اور بعض عرب ممالک پر فرانس نے ایک لمبے عرصے تک قبضہ جمائے رکھا، جس کے نتیجے میں وہاں فرانسیسی قوانین اور افکار سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ مرعوب ہے۔ اسلام نے تمام جرائم کے خاتمے کے لئے نہ صرف قوانین وضع کیے بلکہ مجرموں کی تربیت کا بھی اہتمام کیا، ججز و کیلوں کی حدود کو ظاہر کیا لہذا، اسلام نے جرائم کی روک تھام اور قانون کی بالادستی کے لئے محتسب کا تصور بھی پیش کیا اور ان پر ذمہ داری عائد کیں، محکمہ افتا اور محکمہ قضاء کو قرآن و سنت کا پابند بنانے کی کوشش کی، ہے محکمہ پولیس سے متصل ہر شخص میں خوف خدا پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر ہمارے حکمران اور سرکاری کارندے فی الحقیقت ملک سے لسانیت، فرقہ واریت، دہشت گردی اور لاء اینڈ آؤر کے مسائل کو حل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں ظلم کے سوتوں کو بند کرنا ہو گا۔ ہر ادارہ اور فرد سے انصاف کا اجراء کرنا ہو گا پولیس مقابلوں کے بجائے اپنی جانب سے رواداری، غنودر گزر کار وازہ کھولنا ہو گا۔ حکمرانوں کو صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کو پیش نظر رکھنا ہو گا۔

حوالہ جات

- ^۱ القرآن، سورۃ النحل آیت ۱۲۸
- ^۲ ابن تیمیہ، شیخ الاسلام، السیاسة الشرعية، ص ۷، جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ
- ^۳ فیروز اللغات فیروز پبلشنگ لاہور، ص ۸۹۱
- ^۴ سید عبدالرحمن بخاری، اسلامی ریاست میں عدل نافذ کرنے والے ادارے، ص ۴، مرکز تحقیق و دیال سنگھ لاہور، لاہور
- ^۵ محمد بن محمد شعیری، جامع الاخبار، ص ۱۱۹، نجف
- ^۶ محمد بن محمد عبدالکریم، حسن السلوک، حسن السلوک الحافظ دوتہ الملوک، ص ۶۸، الناشر: دار الوطن - الرياض
- ^۷ القرآن، سورۃ الشوریٰ آیت ۱۵
- ^۸ القرآن، سورۃ النساء آیت نمبر ۵۸
- ^۹ القرآن، سورۃ المائدہ آیت نمبر ۸
- ^{۱۰} القرآن، سورۃ المائدہ آیت نمبر ۴۲
- ^{۱۱} القرآن، سورۃ الاعراف، آیت ۲۹
- ^{۱۲} سلیمان بن اشعث، سنن ابوداؤد، جلد ۲، ص ۱۰۵، الناشر: المكتبة العصرية، صیدا - بیروت
- ^{۱۳} محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح البخاری، جلد ۳، ص ۱۸۷، دار طوق والنجا

- ۱۴ خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، مکتبہ تجاریہ، دار الفکر، بیروت ۱۹۹۱ء، حدیث نمبر ۳۷۱۸
- ۱۵ پروفیسر فہم اللہ شہاب، اسلامی ریاست کا عدالتی نظام، ص ۶۷، قانونی کتب خانہ لاہور
- ۱۶ القرآن، سورۃ المائدہ آیت نمبر ۱۲۰
- ۱۷ القرآن، سورۃ، آیت نمبر ۲۶
- ۱۸ ابن قیم الجوزی، اعلام الموقعین عن رب العالمین ص ۶۷، الناشر: دار الکتب العلمیۃ-بیروت
- ۱۹ ابن قیم الجوزی، اعلام الموقعین عن رب العالمین ص ۶۷، الناشر: دار الکتب العلمیۃ-بیروت
- ۲۰ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، جلد ۱۴، ص ۱۰۳ مطبوعہ قاہرہ
- ۲۱ محمد بن یعقوب فیروز آبادی، القاموس المحیط، ص ۴۸
- ۲۲ ابن منظور افریقی، لسان العرب، جلد ۱۵ ص ۱۴۸، الناشر: دار صادر-بیروت
- ۲۳ محمد عبدالرزاق الزبیدی، تاج العروس ص ۳۸ ج ۲۰، الناشر: دار الہدیۃ
- ۲۴ القرآن، سورۃ، یوسف آیت نمبر ۴۶
- ۲۵ القرآن، سورۃ النحل آیت نمبر ۴۳
- ۲۶ القرآن، سورۃ التوبہ آیت نمبر ۱۲۲
- ۲۷ عبدالرحمن بن محمد ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، جلد ۱، ص ۷۷، الناشر: دار الفکر، بیروت
- ۲۸ جسٹس محمد منیر، اسلام اور تہذیب حاضرہ، ص ۹۵، لاء پبلشنگ کمپنی لاہور
- ۲۹ حافظ ابرو، زبدۃ التوارخ، (قلمی) مخطوطہ دانشگاه، پنجاب لاہور
- ۳۰ محمد بن یعقوب فیروز آبادی، القاموس المحیط، بذیل مادہ
- ۳۱ ڈاکٹر ایم ایس ناز، اسلامی ریاست اور عدل و احتساب، ص ۲۱، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- ۳۲ ایضاً، ص ۴۸
- ۳۳ سلیمان بن اشعث، سنن ابوداؤد، جلد ۳، ص ۲۸۲، الناشر: المکتبۃ العصریۃ، صیدا-بیروت
- ۳۴ ڈاکٹر ایم ایس ناز، اسلامی ریاست اور عدل و احتساب، ص ۲۵۰، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
- ۳۵ ایضاً